نظریۂ قومیّت

پر

مولینا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال

کی

عالمانہ خط و کتابت

مکتبہ د
مزنگ لاہور۔

تاریخ ورجال کی متعدد نادر و نایاب کتابوں کا نچوڑ ——

اس صدی کے اسلامی اور سیاسی لٹریچر میں غیر فانی شاہکار کا اضافہ

علمائے اسلام کی
خونیں داستانیں

از قاضی اطہر مبارکپوری

آغاز اسلام سے لے کر موجودہ دور تک تاریخ کے خونیں اوراق کا البم ہر صدی کی ابتدائیں فتنوں اور تحریکوں کا تجزیہ اور علماء کے مختصر حالات و اہم واقعات جو تاریخ میں ہمیشہ تاباں و درخشاں رہیں گے جابر بادشاہوں، ظالم امیروں، ضمیر فروش پیشواؤں اور جاہل عوام کے ناروا سلوک اور سفاکیوں کی جیتی جاگتی تصویریں، قید خانوں کی گہری تاریکیوں، طوق و زنجیر کی مہیب جھنکاروں، دار و رسن کی جانگداز گرفتوں، کوڑوں اور دُرّوں کی دردناک آوازوں میں استقامت کی مسکراہٹ، بے گناہوں کی سینہ سپری، حق گوئی کی بیباکی، اور سچے مسلمانوں کی عزیمت کے بولتے چالتے خاکے۔

قیمت پانچ روپے —————— مجلد چھ روپے

مکتبہ دانش مزنگ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مہاجر مدنی، صدر دار العلوم دیوبند کی ذات گرامی کسی تعریف و تعارف کی محتاج نہیں اتحاد اسلامی کے وہ اوّلین مبلغ و ناشر ہیں اور حریت وطنیہ کے وہ پرانے جاں باز سپاہی بلکہ رہنما ہیں۔ ان کے صفاتِ حسنہ اپنے تو اپنے اغیار بھی تسلیم کرتے ہیں، مگر ضرورت وقتی کے طور پر لوگوں کی عقیدت کو انکے آستانِ عالی سے برگشتہ کرنیکی خاطر آسمان دہلی و شملہ کے کردبی بعض اوقات ان کے خلاف خرافات و ہذیانات اور اباطیل و اکاذیب کی نشر و اشاعت ضروری سمجھتے ہیں پروپیگنڈہ کی اس بارش کے بعد لالہ جی کی گائے تو آسانی سے گذر جاتی ہے مگر شیخ کا اونٹ جو کیف خلقت کی اعجوبہ زا تفسیر ہے۔ جوں پھسلنا شروع ہوتا ہے تو شملہ کی بلندیوں سے لے کر شاہجہان اور عالمگیر کی مساجد کی سیڑھیوں تک بس پھسلتا ہی چلا جاتا ہے ایسی ہی ایک لغزش میں علامہ اقبال مرحوم بھی مبتلا ہو گئے تھے مگر خدا بھلا کرے ہمارے

بھائی طالوت صاحب کا جنہوں نے علامہ اور مولانا سے خط و کتابت
فرما کر علامہ کی غلط فہمی کو دور کرا دیا تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے "احسان"
لاہور میں اپنا ایک بیان بھی شایع کرایا تھا جس میں صاف الفاظ
میں اعلان فرمایا تھا کہ مجھے اب مولانا پر کوئی اعتراض نہیں۔
مگر بدقسمتی سے علامہ مرحوم اسکے کچھ عرصہ بعد انتقال فرما گئے اور
انکی آخری تصنیف "ارمغان حجاز" کی جمع و ترتیب اور طباعت و کتابت
کا کام ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا جنکی نکیل حدی خوانانِ شملہ
کے ہاتھ میں رہتی ہے اور علامہ کے اعتراض واپس لینے کے
بعد بھی علامہ کے ان دل آزار اشعار کو "ارمغانِ حجاز" میں درج
کر دیا گیا اور ایک حجازی مہاجر ہی کی نہیں (کیوں کہ اس کی
ذات تو مدح و قدح کی اس قسم کی آلائشوں سے وراء الورا ہے) بلکہ
حجاز کے جملہ نام لیواؤں کے قلوب کو مجروح کرکے انپر نمک
پاشی کا فریضۂ فرنگی ادا فرمایا گیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ بعض قم
ہبیض کے راز و رموز سے واقف "رازیوں" نے علامہ مرحوم کے
وہ بیانات بھی دوبارہ سہ بارہ چھاپ کر لوگوں کو گمراہ کرنیکی کوشش
کی جنکی حیثیت علامہ کے آخری بیان کے بعد "ایک ناگفتہ بہ"
چیز کے برابر ہو جاتی ہے۔ دیانت و امانت کا تقاضا تو یہ تھا
کہ اگر علامہ کے متبرکات ہی شایع کرنا مطلوب تھے تو علامہ کا آخری
بیان بھی ساتھ ہی شائع کر دیا جاتا۔ مگر ان لوگوں کو تو لا تفرقوا

الصلوٰۃ" کا مفہوم بطور وسواس الفلو کرنا تھا" انتم سکاریٰ" بتلانے
سے تو تلبیس کی ہنڈیا عقل و خرد کے چورا ہے پر دھڑام سے
گر کر پھوٹ جاتی پھر وہ آخری بیان شایع کرتے تو کیونکر؟
حسنِ اتفاق سے بھائی طالوت سے ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا
اور علامہ مرحوم کے خطوط انکے پاس موجود تھے۔ خطوط دیکھنے کے
بعد معاً خیال ہوا کہ اقانیم ثلثہ کے پجاریوں کے پجاری ابالیس
ارضیہ کی تلبیسات کا اس سے بہتر کوئی جواب نہیں کہ یہ ساری
خط و کتابت شایع کر دیجائے۔ چنانچہ طالوت صاحب سے استدعا
کیگئی تو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ خطوط بندہ کے
حوالے کر دیئے بلکہ "احسان" کا وہ پرچہ بھی عنایت فرمادیا جسمیں
علامہ کا آخری بیان شائع ہوا تھا۔ ان خطوط اور بیان سے
پہلے حضرت مولانا مدنی کی مختصر سوانح حیات بھی حضرت مولانا
محمد میاں صاحب کی مشہور کتاب "علمائے ہند کی شان دار ماضی"
حصہ پنجم سے اقتباس کرکے شامل کی جا رہی ہے تاکہ اس آفتاب
جہانتاب کی روشنی کی عمومیت بیش از بیش ہو کر اسکے فیوض و
برکات سے استفادہ و استفاضہ عام ہو جائے

میں اپنے بھائی طالوت کا نہایت ہی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس
آفتاب علم کے چہرۂ روشن سے غلط فہمیوں کے گرد و غبار کو چھانٹنے
میں نہایت ہی بیش بہا اور گرانقدر مدد فرمائی۔ نیاز مند پبلشنی

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدنی مدظلہ

آپ ۱۹ ر شوال ۱۲۹۶ھ ۱۱ بجے شب سہ شنبہ کو بمقام قصبہ بانگر، مئو ضلع اناؤ پیدا ہوئے۔ تاریخی نام چراغ محمد تھا آپ کا اصلی وطن موضع الہ داد پور۔ تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کا خاندان تقریباً اُنیس پشت پیشتر ہندوستان میں آیا۔ والد ماجد حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب۔ سیدنا حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے خلیفہ راشد تھے۔ ۱۳۰۹ھ میں جبکہ عمر مبارک ۱۲ سال تھی آپ کو دیوبند سیدنا شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجا گیا۔ یعنی ایک شفاف آئینہ کو آفتاب جہاں تاب کے سپرد کیا گیا۔ حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کی فراست کاملہ نے اس سعادت عظمیٰ کو پہچان لیا۔ جس کے آثار بشرۂ مبارک سے نمایاں تھے۔ مخصوص شغف کے ساتھ اپنی اولاد کی طرح تربیت شروع فرمائی۔ اپنی نگرانی میں رکھا اور باوجودیکہ شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے مشاغل بڑی جماعتوں کو بھی خارجی اوقات میں کسی کتاب کے درس کا موقعہ نہ دیتے تھے۔ مگر حضرت مولانا حسین احمد صاحب

کو ابتدائی کتابیں خود ہی پڑھائیں۔ صرف سات سال کے عرصہ میں جملہ علوم متداولہ سے فارغ ہو کر حضرت قطب العالم امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت بھی ہو گئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں والد ماجد قدس اللہ سرہ العزیز نے جملہ اہل و عیال سمیت بغرض ہجرت بیت اللہ شریف کا قصد کیا تو آپ بھی ان کی رفاقت میں حجاز مقدس تشریف لیگئے۔ امام ربانی مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مراحل سلوک طے کرنے کیلئے اپنے شیخ و مرشد یعنی سیدنا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز مہاجر مکی کی خدمت میں حاضری کا ایماء فرمایا۔ چنانچہ مکہ معظمہ پہنچ کر مراحل سلوک حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی زیر تربیت طے کیے۔

حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں چند ماہ رہ کر دارِ ہجرت یعنی مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ جس سے چند ماہ بعد شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے رحلت فرمائی۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے جوار رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر وہ تمام فیوض حاصل کیے۔ جو ایک باخدا انسان اس منبع الجود والکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مبارک سے حاصل کر سکتا ہے یہ پورا گھرانا مدینہ طیبہ پہنچا تو رہائش کے لئے ایک مدنی صاحب نے مکان دیا اور انہیں

صاحب کے مدرسہ میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے بعہدت
ملازمت تدریس شروع کر دی۔ لیکن پھر کچھ ناگواریوں کی بنا پر
حضرت مولانا حسین احمد صاحب کو یہ تعلق منقطع کرنا پڑا اور مدنی
صاحب موصوف نے مکان بھی خالی کرا لیا۔ اس عرصہ میں جو
کچھ اثاثہ والد صاحب کے پاس تھا وہ بھی ختم ہو گیا اور فاقہ
کی نوبت آنے لگی۔ تب حضرت والد صاحب نے اپنی تمام اولاد
کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میں مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے حاضر
ہوا ہوں۔ آپ محض زیارت بیت اللہ کے لئے آئے تھے جس
سے فارغ ہو چکے۔ اب یہاں بسر اوقات کی بظاہر کوئی شکل
نہیں۔ اس وقت کچھ تھوڑے بہت زیور یا کپڑے برتن وغیرہ
اتنے ہیں کہ انکو فروخت کر کے آپ کسی صورت سے ہندوستان
پہنچ سکتے ہیں۔ لہذا میری رائے یہی ہے کہ آپ سب اپنے
وطن چلے جائیں۔ میں یہاں مقیم رہونگا۔ حضرت مولانا حسین احمد
صاحب اور جملہ متعلقین نے جواب دیا۔ خداوند عالم رزاق ہے۔
ہم فقر و فاقہ سے نہیں گھبراتے۔ شکم پری کی اگر کوئی صورت
نہ ہو تو درختوں کی پتیاں کھا کر بھی اس سرزمین پاک میں زندگی
بسر کر سکتے ہیں۔ مگر آپ سے اور اس ارض پاک سے مفارقت
گوارا نہیں، بہر حال سب نے مدینہ طیبہ کو وطن بنا لیا۔ لیکن
جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے (جنہوں نے

حُبّ رسُولُ اللہ کا اظہار کیا تھا) فرمایا تھا اگر تمہیں میرے
سے محبت ہے تو فاقہ کیلئے تیار ہو جاؤ تو جھول کی طرح تمہیں
گھیر لے گا۔ اس گھرانے میں بھی فاقہ جھول بن کر آیا۔
چنانچہ متواتر چند ماہ اسی حالت میں گذرے کہ ایک وقت میں
تھوڑی سی مُونگ کی دال میسر آتی تھی۔ جسکو پکا کر تھوڑی تھوڑی
سب حضرات پی لیتے اور خدا کا شکر ادا کرتے۔ اس وقت اس
گھرانے کے افراد کی تعداد ۱۳ تھی، اور سب دورِ ابتلاء میں
اس قدر صابر و شاکر تھے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوئی
حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے حرم اطہر میں درس
دینا شروع کر دیا۔ اسی فاقہ میں صبح سے شام تک درس کا
مشغلہ جاری رہتا۔

مولانا عبدالحق صاحب مدنی کا بیان ہے کہ اسی ابتلا کے
بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ حضرت شیخ اور آپکے بھائیوں نے
ایک عالیشان مکان مدینہ طیبہ میں حرم اقدس کے قریب تعمیر
کرایا اس دَورِ فراخی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک صاحب جو
مہاجر تھے اور عموماً حرم اطہر میں رہا کرتے تھے وہ حضرت مولانا
حسین احمد صاحب کے معتقد تھے انکی وفات ہوئی تو انہوں نے
اپنا سرمایہ جسکی مقدار قریباً چھ سو تھی۔ حضرت مولانا حسین احمد
صاحب کو دے دیا۔ حضرت موصوف اور آپ کے بھائیوں نے اس

نے اس سے کھجوروں کی دکان کر لی۔ جس میں خداوند عالم نے برکت عطا فرمائی۔

۱۳۱۸ھ کے مذکورہ بالا سفر کے بعد ۱۳۲۶ھ تک مسلسل جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام رہا۔ حرم پاک میں حلقۂ درس روز افزوں ترقی کر رہا تھا اور آپ صحاح ستہ اور تفسیر و فقہ کی بڑی بڑی کتابوں کے تقریباً ۱۴۔۱۵ اسبق روزانہ پڑھاتے تھے۔ نماز صبح کے بعد سے سلسلۂ درس شروع ہو کر عشاء کے بعد تک رہتا۔ آپ کی شہرت عرب سے تجاوز کر کے دیگر ممالک تک پہنچ گئی تھی اور شیخ الحرم کے خطاب سے آپ معروف ہو گئے تھے۔ ۸ سال بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے۔ جمعیۃ الانصار اور موتمر الانصار اور دار العلوم کا جلسۂ دستار بندی آپ کی جد و جہد کے رہین منت تھے۔ تین سال بعد آپ دوبارہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر یہ تنبیہ کر دینی مناسب ہے کہ یہی زمانہ وہ ہے جبکہ انقلاب کی تجاویز ہندوستان میں شدومد سے جاری تھیں اور جنگ یورپ کا آغاز ہو رہا تھا ۱۳۳۴ھ میں سیدنا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے۔ فراغت حج کے بعد ۱۳۳۴ھ میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مشاغل درس برابر جاری رہے مگر اسی سال جمال پاشا انور پاشا مرحوم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور

پھر کچھ عرصہ بعد عربی حکومت کا انقلاب ہو گیا۔ شریف نے بغاوت کی اور پھر ۲۳ ر صفر شب یکشنبہ ۱۳۳۵ھ کو شریف حسین نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عزیز گل۔ مولانا حکیم نصرت حسین مرحوم اور مولانا وحید احمد صاحب مدنی مرحوم کو گرفتار کر کے انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ حضرت شیخ مولانا حسین احمد صاحب مدنی اس وقت شریف کی رعایا تھے بہت ممکن تھا آپ کو چھوڑ دیا جاتا یا کسی اور طرح سزا دی جاتی۔ لیکن آپ نے حضرت شیخ الہند کی رفاقت کی از حد خواہش کی۔ بالآخر آپ کو بھی جدہ پہنچا دیا گیا۔ جملہ اقارب۔ اعزہ۔ مکان سامان بنام خدا مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں چھوڑا اور تسلیم و رضا کی راہ میں خود کو امتحانات کے لئے پیش کر دیا۔

والد ماجد اور بھائی صاحبان کو ترکی گورنمنٹ نے اپنی حراست میں اڈریا نوپل پہنچا دیا۔ جہاں ان حضرات کو پورے احترام اور اعزاز کے ساتھ رکھا گیا۔ حضرت والد ماجد اور مولانا محمد صدیق کی وفات وہیں ہوئی۔ بہر حال ۲۲ ر جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ موصوف جملہ رفقاء اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند کے ساتھ مالٹا سے رہا کئے گئے۔ اس اثناء میں آپ کے والد ماجد۔ بڑے بھائی۔ اہلیہ محترمہ اور برخوردار لختِ جگر سب کے سب کچھ انقلابی مصائب اور کچھ امراض وغیرہ میں مبتلا

ہو کر واصل بحق ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت موصوف کے جوش حرّیت اور جذبات اعلاء کلمۃ اللہ نے اب بھی اجازت نہ دی کہ براہ مدینہ طیبہ جائیں۔ بلکہ خلافت اسلامیہ کے بقا و تحفظ کیلئے ہندوستان میں جد و جہد میں مفید سمجھ کر ہندوستان تشریف لائے اور تحریک استخلاص وطن اور تحریک خلافت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ لیکن اہلِ ہند کی بدقسمتی سے صرف پانچ ماہ بعد حضرت شیخ الہند کی وفات ہو گئی۔ حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد دنیا نے آپ کو حضرت شیخ الہند کا سچّا جانشین سمجھا۔ اور اور حضرت موصوف نے (باوجودیکہ آپ کو اس لفظ سے بطور کسرِ نفس تکلیف ہوتی تھی) مذہبی اور مُلکی خدمات کیلئے خود کو وقف کر دیا کچھ عرصہ بعد محض اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلہ میں یعنی اس فتوٰی کے سلسلے میں جو کراچی میں حضرت موصوف کی جانب سے پیش کیا گیا تھا اور مولانا نثار احمد صاحب۔ مولانا احمد علی صاحب مولانا شوکت علی صاحب نے اسکی تائید فرمائی تھی۔ گرفتار ہو کر دو سال قید با مشقت کی محنت برداشت کی۔ کراچی سے رہائی کے بعد دنیا نے رہا ہونے والوں کے بڑے بڑے جلوس نکالے۔ مگر حضرت موصوف کا مخصوص طرز عجیب و غریب تھا آپ جہاں تشریف لے گئے اچانک پہنچ گئے۔ کسی کو اطلاع بھی نہ ہو سکی کہ کب تشریف لائے۔ دیوبند میں شدید انتظار تھا۔ استقبال

کے انتظامات بھی ہو رہے تھے۔ لیکن آپ شب کو ۲ بجے بالکل خاموشی کے ساتھ دیوبند میں ورود فرما ہو کر شیخ الہند کے مکان پر پہنچ گئے۔ صبح کو سنایا گیا کہ رات جانشین شیخ الہند تشریف لے آئے۔ مالٹا اور پھر کراچی کی اسارت کے زمانہ میں آپکے اہم ترین مشاغل صرف دو تھے (۱) قرآن پاک کا حفظ (۲) سلوک وطریقت کے مراحل طے کرنا۔ اسارت کراچی کے زمانے میں مولانا محمد علی مرحوم نے آپ سے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا مولانا محمد علی مرحوم آپ کو چیتا بھائی کہا کرتے تھے اور استادانہ تکریمات سے پیش آیا کرتے تھے اس کے بعد تقریباً چھ سال آپ سلہٹ (بنگال) میں ایک جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے قیام پذیر رہے۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ گویا خداوند بالا و برتر نے صوبہ بنگال کی اصلاح کیلئے یہ غائبی تائید فرمائی تھی۔ اس تمام عرصہ میں تدریس کے علاوہ آپ کا بڑا مشغلہ اشاعت وتبلیغ تھا۔ حقیقت میں ان مجاہدات کا تصور بھی انسان کو ہیبت زدہ کر دیتا ہے جو حضرت موصوف کو وعظ وتبلیغ کے سلسلے میں برداشت کرنے پڑے۔ بنگال کے دیہات جن کے ہر طرف ندیاں نالے ہیں۔ مگر آپ رات کے اوقات میں وعظ و تبلیغ کے سلسلہ میں پاپیادہ خطرناک جنگلوں نالوں اور ندیوں کو طے کرتے ہوئے دیہات میں پہنچتے اور جتنے بھی

آدمی جمع ہو سکتے۔ ان کو خداوندی احکام سناتے۔ ایسا بھی ہوا کہ سفر کی تمام کیچڑ اور دلدل کو طے کر کے جس جگہ پہنچے وہاں وعظ سننے والے صرف سات آٹھ آدمی ہی تھے۔ مگر آپ مجمع کی قلت سے کبھی بھی کبیدہ خاطر نہ ہوئے اور اسی ہی بشاشت کے ساتھ انکو اللہ کے احکام سنائے جس بشاشت سے ہزارہا آدمیوں کے مجمع کو سناتے۔ بہر حال اس مشاہدے کا اثر بحمداللہ بہت خوشگوار ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد سارا ضلع سلہٹ آپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آپ کے اخلاص و ایثار پر وارفتہ اور شیدائی ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہونے لگا سلہٹ اور اطراف سلہٹ کے رہنے والوں نے ہزاروں کی تعداد میں آپ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ ۱۳۴۶ھ میں آپ کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی صدارت پیش کی گئی جسکو آپ نے دارالعلوم کے مصالح کے پیش نظر منظور فرما لیا۔

اس وقت حضرت شیخ کی خدمات ملیہ اہل ہند سے پوشیدہ نہیں جو انجمن جمعیۃ کانفرنس بھی مسلم مفاد کی خاطر ہندوستان میں بنائی جاتی ہے۔ محض اس اضطراب اور جذبہ کے بموجب کہ مسلمانوں کو کسی طرح فائدہ پہنچے ان کی حالت کسی طرح رو باصلاح ہو۔ آپ اس میں شرکت فرماتے ہیں اور درحقیقت آپ سیاسیات ہند کی بہترین روح ہیں۔ لیکن اس سیاسی

تبلیغی، تدریسی۔ تینوں قسم کی خدمات اور مزید براں دارالعلوم دیوبند کی صدارت کے فرائض منصبی یعنی خصوصی مشورے۔ نگرانی چندہ کی مساعی۔ مالیات کی اصلاح وغیرہ وغیرہ بیک وقت ادا کرنا درحقیقت حضرت محترم ہی کا ظرف اور آپ ہی کی ہمت ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ راحت، آرام، بیفکری اور سکون سب کچھ قربان ہو گیا۔ شب و روز ایک مسلسل جد و جہد ہے۔ جس کو وہ انسان انجام دے رہا ہے۔ جس کو خدا نے فوق العادت روحانی قوت عطا فرمائی ہے شب کو کئی گھنٹے مسلسل تقریر۔ اس کے بعد سفر اور پھر صبح مدرسہ میں پہنچکر کئی گھنٹے تک ڈھائی سو طلبہ کی جماعت کو درس جس میں ہر قابلیت اور ہر مذاق کے طلبہ موجود ہوں۔ جن میں بعض وہ بھی ہوں، جو کئی سال مدرسی کرکے محض سماعت حدیث کے لئے حاضر ہوئے ہوں، پھر وہ دماغ سوز مشقت جو ڈھائی تین سو طلبہ کے وسیع حلقہ میں تقریر کرتے ہوئے پیدا ہو۔ پھر اسی طرح ظہر بعد۔ عصر بعد۔ بسا اوقات عشاء بعد۔ برابر درس اور پھر ایک دو دن نہیں۔ ہمیشہ۔ مسلسل اور نہ صرف دن کو بلکہ شب کو بھی اسی طرح مشاغل کا تسلسل۔ مثلاً قیام دیوبند کے زمانہ میں مغرب بعد صلوٰۃ اوابین جن میں کم از

کم سوا پارہ یومیہ کی تلاوت - پھر مسترشدین کو تلقین، یا بیعت - پھر عشاء بعد کتب بینی - اخبارات دیکھنا - ان سے یاد داشتیں مرتب کرنا (جن کا بیش بہا ذخیرہ ہزار ہا صفحات کا اس وقت حضرت موصوف کے پاس موجود ہے پھر آخر شب میں تہجد - اس کے بعد ذکر و مراقبہ وغیرہ وغیرہ - غور فرمایئے کیا کوئی ہے جو اس طرح مسلسل اپنے آپ کو قربان کرتا رہے -

تقریباً دس ماہ تدریسی اور تبلیغی مشاغل میں اس پروگرام کے ساتھ گذرتے ہیں جو اوپر بیان ہوا لیکن رمضان مبارک کا مہینہ عجب شان سے گذرتا ہے - آپ کو معلوم ہے کہ حضرت شہید صاحب شہید قدس اللہ سرہ العزیز اور آپ کے خلفاء صوبہ بنگال کی اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوئے تھے - شیخ الہند ثانی حضرت مولانا حسین احمد صاحب جو اپنے اکابر کے صحیح جانشین ہیں وہ بنگال کو اپنی توجہات کا مرکز کیسے نہ بناتے - قیام سلہٹ نے قدرتی طور پر مسلمانان بنگال - بالخصوص مسلمانان آسام کا تعلق حضرت شیخ سے وابستہ کر دیا اب اہل سلہٹ کچھ ایسے عاشق ہو گئے ہیں کہ رمضان المبارک کا مبارک مہینہ انہوں نے اپنے لئے مخصوص کرا لیا ہے - تمام سال

وہ تمناؤں اور مرادوں میں گذارتے ہیں اور جیسے شعبان المعظم شروع ہوتا ہے۔ دعوتی خطوط اور تار پہنچنے لگتے ہیں اگر کچھ شبہہ ہو جاتا ہے تو سلہٹ سے وفود حاضر ہونے لگتے ہیں بہر حال ۲۷۔۲۸ شعبان تک حضرت شیخ دیوبند سے روانہ ہو کر سلہٹ پہنچتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر آپ کے مشاغلِ حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ پورے بنگال سے خاص خاص متوسلین سلہٹ پہنچنے لگتے ہیں۔ کچھ قیام کرتے ہیں اور کچھ زیارت کر کے دو چار روز حاضر خدمت رہ کر واپس ہو جاتے ہیں، اوسطاً چار سو حضرات کا مجمع ہر روز رہتا ہے جس کے افطار و طعام وغیرہ کا تکفل سلہٹ کے چند اہلِ ہمت حضرات کرتے ہیں۔ حضرت موصوف مختصر سے افطار کے بعد مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر صلوٰۃ الاوابین میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ایک ڈیڑھ پارہ کی تلاوت ہوتی ہے۔ پھر تراویح میں چار سو پانچ سو آدمی شریک ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف حضرت شیخ خود سنتے ہیں۔ مسجد میں تراویح سے فراغت کے بعد ایک اور قرآن نوافل میں ہوتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر آرام فرما کر تہجد شروع کرتے ہیں۔ جس میں سلسلہ وار قرآن شریف ختم کرتے ہیں۔ تہجد کے بعد ذکر و تلقین کا مشغلہ صبح صادق سے تقریباً نصف گھنٹہ تک جاری رہتا

ہے۔ نماز صبح سے فراغت پا کر کچھ آرام فرماتے ہیں۔ تقریباً آٹھ بجے سے زائرین سے ملاقات اور مجمع زائرین میں وعظ و پند کا سلسلہ شروع رہتا ہے۔ باشندگان سلہٹ و مضافات سلہٹ اپنے مکانات پر بھی مجالس وعظ منعقد کرتے ہیں۔ قیامگاہ کی مجلس وعظ کے بعد۔ اُن مجالس میں شرکت فرماتے ہیں۔ پھر دوپہر کو خفیف سا قیلولہ فرماتے ہیں نماز ظہر کے بعد قرآن شریف سننے اور سنانے کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ بعد عصر مغرب تک تذکیر و تلقین میں صرف ہوتا ہے۔ اس طرح دن اور رات میں نو نو اور دس دس قرآن شریف کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ مجلس وعظ وغیرہ ان کے علاوہ

نماز عید سے فراغت پا کر واپسی ہوتی ہے۔ بنگال سے دیوبند تک متوسلین اور مشتاقوں کے تقاضوں کے بموجب موقعہ بموقعہ قیام فرماتے، ہیں۔ گویا تبلیغی دورہ فرماتے ہوئے آخر شوال تک حضرت والا دیوبند پہنچتے ہیں پھر اگر حج بیت اللہ کا عزم بھی ہو تو یہ مسلسل سفر متواتر چار ماہ باقی رہتا ہے۔ جسمیں آرام اور راحت کا نام نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا ہے کہ حجاز پہنچ کر بھی زائرین کی کثرت آرام کا موقعہ نہیں دیتی۔ غالباً ۱۳۳۲ھ میں جب آپ

حجاز مقدس تشریف لے گئے تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب
ایم۔ ایل۔ اے۔ مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد بھی ہمراہ تھے
حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی اس زمانہ میں مکہ معظمہ
میں قیام فرما تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں،
کہ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کی خواہش رہی کہ حضرت
شیخ صاحب قبلہ سے ایک گھنٹہ تخلیہ کا موقعہ مل جائے۔
مگر ممکن نہ ہو سکا۔ استاد محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب
فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت شیخ کی طبیعت شاہانہ واقع ہوئی
ہے۔ یعنی پیسہ کی کبھی پروا نہیں ہوتی۔ دسترخوان اتنا
وسیع ہے کہ عموماً چھ سات مہمان ہمیشہ رہتے ہیں۔ اور
بسا اوقات اُن کی تعداد اس سے زاید ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کا پہلا خط

حضرت طالوت کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السّلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہٗ
مزاج مبارک ۔ والا نامہ باعثِ سرفرازی ہوا ۔ میں آپ کی ہمدردانہ محبّت کا مشکر گذار ہوں ۔ بالخصوص اس بنا پر کہ باوجود عدم ملاقات کے اس قدر التفات فرماتے ہیں ۔ میرے پاس بہت سے خطوط ۔ مضامین اس کے متعلق استفسار کے آئے ۔ مگر میں انتہائی درجہ میں عدیم الفرصت ہوں ۔ اور اس قسم کے افترا‌ٰات اور سب وشتم کا سیلاب ہر زمانہ میں کم و بیش (اس زمانہ سے جبکہ میں نے تحریکات وطنیہ اور ملّیہ میں قدم اُٹھایا ہے) برابر جاری ہے ۔ اس لئے ایسی باتوں میں وقت صرف کرنا اضاعتِ وقت سمجھتا ہوں ۔ واذا خاطبھم الجاھلون الآیۃ پر عمل پیرا رہتا ہوں ۔ جب کبھی کوئی نہایت اہمیّت ہوتی ہے ۔ کچھ لکھ دیتا ہوں میں اس وقت بھی چپ تھا ۔ مگر آپ کے والا نامہ نے مجبور

کیا کہ حقیقت واضح کی جائے اس لئے باوجود عدیم الفرصتی
مختلف اوقات میں لکھ کر مندرجہ ذیل مضمون پیش کرتا ہوں
اور تاخیر کی معافی کا خواستگار ہوں۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ صدر بازار دہلی متصل پل بنگشن
زیر صدارت مولانا نورالدین صاحب جلسہ کیا گیا۔ اس میں
اہل محلہ کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا اور اس میں میری
ملی اور وطنی خدمات کو سراہا گیا۔ جلسہ وعظ و نصیحت کا نہ
تھا اور نہ اسلامی تعلیم کے بیان کرنیکا۔ اس روز صبح کو جلسہ
مذہبی ہو چکا تھا۔ مولانا نورالدین صاحب نے تین یا چار برس
میں ترجمہ قرآن شریف ختم کیا تھا اور اس کی خوشی میں جلسہ
ہو چکا تھا۔ اس میں مذہبی تقریر۔ فضائل قرآن اور اس کی
تعلیمات کے متعلق تقریباً دو گھنٹہ ہو چکی تھی نیز جامع مسجد میں
تبلیغ کے متعلق مذہبی وعظ اس سے پہلے اسی دن ہو چکا تھا
شب کے جلسہ کے اعلان میں یہ طبع کیا جا چکا تھا کہ حسین احمد
کو ایڈریس پیش کیا جائے گا۔ ایڈریس کے جلسہ سے لیگیوں
اور بالخصوص مولوی مظہرالدین صاحب اور اُنکے ہمنواؤں
میں انتہائی غصہ پھیلا ہوا تھا۔ کوشش کی جا رہی تھی کہ
جلسہ کو درہم برہم کیا جائے۔ جس کو احساس کر کے جناب صدر
نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ کہہ دیا کہ اس جلسہ میں کانگریس

اور مسلم لیگ کے متعلق کوئی تقریر نہ ہوگی۔ اسکے بعد میں ایڈریس کے جواب دینے کے لئے کھڑا ہوا (صدارتی تقریر کے بعد ایڈریس پیش کیا گیا تھا) میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرونِ ملک میں آزادی کا تمہیدی مضمون شروع کیا تو کہا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں نصرانی بھی پروٹسٹنٹ بھی۔ کیتھولک بھی۔ یہی حال امریکہ۔ جاپان اور فرانس وغیرہ کا ہے۔ الخ

جو لوگ جلسہ کو درہم کرنے کے لئے آئے تھے اور موقعہ چاہ رہے تھے انہوں نے شور مچانا شروع کیا۔ میں اس وقت یہ نہ سمجھ سکا کہ وجہ شور کی کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے۔ سوال و جواب دیتے رہے اور "چُپ رہو" وغیرہ کے الفاظ سنائی دیئے۔ اگلے روز "الامان" وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا کہ قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی اور اسپر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخباروں میں سب و شتم چھاپا گیا

کلام کے ابتدا اور انتہا کو حذف کر دیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا ہو گیا اور تقریر کا بڑا حصہ "انصاری" اور "تیج" میں بھی چھپا۔ مگر اس کو کسی نے نہیں لیا۔ "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب" "زمیندار" وغیرہ نے لیا اور اپنے اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔ ۸ ر یا ۹ ر جنوری کے "انصاری" اور "تیج" کو ملاحظہ فرمایئے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دار و مدار وطنیت پر ہے۔ یہ بالکل افترا اور دجل ہے "احسان" مورخہ ۳۱ جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا۔ کہ "قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔" اگرچہ یہ بھی غلط ہے مگر یہ بھی ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب اور ملت کا مدار وطنیت پر ہونا میں نے نہیں کہا تھا۔ شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلق رکھنے والے ایسے افترا اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب وشتم اُن کے فرائض منصبیہ میں سے ہیں ہی۔ مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا اُن کی صف میں آ جانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ اُن سے میری خط وکتابت نہیں۔ مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا اُنکی بارگاہ عالی تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر غیر مناسب

نہ ہو تو اُن کی عالی بارگاہ میں یہ شعر ضرور پہنچا دیجئے ؎

هنيئاً مريئاً غير داءٍ مخامرٍ
لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھدار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال تو یہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر یہ اخبار ہر قسم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ انپر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہیئے اور سر اقبال موصوف جیسے عالی خیال حوصلہ مند، مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا نہ تحقیق کرنیکی طرف توجہ فرمائی۔ آیۃ ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا الاٰیۃ گویا ان کی نظر سے نہیں گذری۔
سر اقبال فرماتے ہیں ؎

سرود بر سر منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدِ عربی است

کیا انتہائی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ملت اور قوم کو سر اقبال صاحب ایک قرار دیکر ملّت کو وطنیت کی بنا پر نہونے کی وجہ سے قومیّت کو بھی اس سے منزّہ قرار دیتے ہیں۔ یہ بوالعجبی نہیں ہے تو کیا ہے۔ زبانِ عربی اور مقام محمد عربی علیہ السلام سے کون بیخبر ہے؟ ذرا غور فرمایئے۔ میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیّت کا کہا ہے ــــ ملّت کا نہیں کہا ہے ــــ دونوں لفظوں

میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ملت کے معنی شریعت یا دین کے ہیں اور قوم کے معنی عورتوں اور مردوں کی جماعت کے ہیں۔ قاموس میں ہے وبالکسر الشریعة اوالدین (یہ ملت کی بحث میں ہے) نیز قاموس میں ہے القوم الجماعة من الرجال والنساء معا او الرجال خاصة او تدخل النساء تبعیه الخ (بحث قوم) مجمع البحار میں ملت کے معنے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں ما شرع الله بعبادہ علی السنة الانبیاء علیہم السلام ویستعمل فی جملة الشرائع لا فی احادها ثم اتسعت فاستعملت فی الملة الباطلة فقیل الکفر ملة واحدة الخ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ منطق کون سی ہے۔ لفظ قوم ملت۔ دین تینوں عربی ہیں، اُن کے معانی کو لغت عربی سے پوچھیے اور دیکھیے کہ کسی لغت عربی کی معتبر کتاب میں قوم اور ملت کو اور علی ہذا القیاس قوم اور دین کو مرادف اور ہم معنی قرار دیا ہے یا نہیں۔ آیات اور روایات کو ٹٹولیے اور سر صاحب کی بوالعجبی کی داد دیجیے اگر میری تقریر کے سیاق اور سباق کو بھی حذف کر دیا جائے اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ احسان قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔ بتائی جائے۔ تب بھی میں نے کب کہا۔ کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے۔ پھر سر موصوف

کی یہ نسبت سرود بر سر افترا محض نہیں ہے تو کیا
ہے اور ان کا ان تینوں کو ایک قرار دینا جمعیت اور زبان
عربی سے ناواقفیت نہیں ہے تو کیا ہے ؟

یا للعجب ولضیعۃ الادب

آپ مجھ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ تو اپنے خیالات سے مطلع
کر۔ جواباً عرض ہے کہ قوم کا لفظ ایسی جماعت پر اطلاق
کیا جاتا ہے۔ جس میں کوئی وجہ جامعیت کی موجود ہو
خواہ وہ مذہبیت ہو یا وطنیت یا نسل یا زبان یا پیشہ یا
رنگت یا کوئی صنعت مادی یا معنوی وغیرہ وغیرہ کہا جاتا
ہے۔ عربی قوم۔ عجمی قوم۔ ایرانی قوم۔ مصری قوم۔ پختون
قوم۔ فارسی بولنے والی قوم۔ سیدوں کی قوم۔ شیخوں کی قوم۔
کنجڑوں کی قوم۔ موچیوں کی قوم۔ کالوں کی قوم۔ گوروں کی قوم
صوفیوں کی قوم۔ دنیاداروں کی قوم وغیرہ وغیرہ۔ یہ محاورات
تمام دنیا میں شائع و ذائع ہیں اور زبان عربی بلکہ احادیث
و آیات میں بکثرت وجوہ پر اطلاق لفظ قوم کا پایا جاتا ہے
انہیں میں ہندوستانی قوم بھی ہے۔ موجودہ زمانہ میں
ہندوستانی قوم سے بیرونی ممالک میں تمام باشندگان ہندوستان
سمجھے جاتے ہیں۔ خواہ وہ اردو بولنے والے ہوں یا بنگلہ۔ خواہ

وہ کالے ہوں یا گورے - ہندو ہوں یا مسلمان - پارسی ہوں یا سکھ انڈین کا لفظ ہر ہندوستانی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ میں ہندوستان سے باہر تقریباً سترہ برس رہا ہوں۔ عرب۔ شام فلسطین، افریقہ، مصر، مالٹا وغیرہ میں بھی رہتا ہوا ہر ملک کے باشندوں سے ملنا جلنا، بیٹھنا، اُٹھنا ہوا۔ جرمن، آسٹرین، بلگیرین، انگریز، فرانسیسی، آسٹریلین، روسی، چینی، جاپانی، ترکی، عربی وغیرہ مسلم اور غیر مسلم کے ساتھ سالہا سال ملنا جلنا۔ نشست و برخاست کی نوبت آئی۔ اگر یہ لوگ عربی یا ترکی یا فارسی یا اُردو سے واقف ہوتے تھے تو بلا ترجمہ ورنہ بذریعہ ترجمہ ترجمان گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ سیاسی مسائل اور مذہبی امور زیر بحث رہتے تھے۔ میں نے بیرونی ممالک کے عام لوگوں کو اسی خیال اور عقیدہ پر پایا کہ وہ ہندوستانی لوگوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں اور سب کو باوجود مختلف المذاہب اور مختلف اللسان والالوان ہونے کے ایک ہی لڑی میں پروتے ہیں۔ لغوی معنی اس سے انکاری نہیں۔ عرف اس کا متقاضی ہے۔ پھر اس کے انکار کے کیا معنی ہیں۔ یہ دعوٰے کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنا و جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرف انسانی اور اخوت بشری پر رکھتی ہے دیکھیا کہ مدیر

احسان" کا دعوے ہے) مجھے نہیں معلوم کہ نص قطعی یا ظنی سے ثابت ہے۔ جس کی بنا پر اختلاف اوطان وغیرہ پر اطلاق لفظ قوم ممنوع ہو۔ لوگوں میں مساویانہ برتاؤ اور برادرانہ معاملات دوسری چیز ہیں۔ حالانکہ ان میں امتیاز عرفاً اور شرعاً معتبر ہے۔ اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا۔

میرے محترم! اس اجنبی اور خود غرض حکومت اور پردیسی خون چوسنے والی قوم نے جس قعر مذلّت اور ہلاکت اور قحط و افلاس کے تیرہ و تاریک گڑھے میں تمام ہندوستانیوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً عرصہ دراز سے ڈال رکھا ہے اور جس طرح وہ ہندوستانیوں کو روز افزوں فنا کے گھاٹ اتارتی جا رہی ہے وہ اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ نیز اس سے آزاد ہونا اور ملک و ملّت کی زندگی اور بہبودی کی فکر اور سعی کرنا ہر حیثیت سے سبھوں کا فریضہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے (ان دونو چیزوں سے بجز غبی یا مکابر کوئی شخص بھی منکر نہیں ہو سکتا) اگرچہ اس پردیسی خونخوار قوم سے نجات کے اور بھی ذرائع عقلاً ممکن ہیں۔ مگر جس قدر قوی اور مؤثر ذریعہ تمام ہندوستانیوں کا متفق اور متحد ہو جانا ہے اور کوئی ذریعہ

نہیں ہے اس کے آگے اس حکومت کے جملہ اسلحہ اور تمام قوتیں بیکار ہیں اور بغیر نقصان عظیم ہندوستانی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان مُلک کو منظم کیا جائے اور اسکو ایک ہی رشتہ میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتۂ اتحاد بجز متحدہ قومیت کے نہیں۔ جسکی اساس محض وطنیّت ہی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی دُوسری چیز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریس نے ابتداء ہی سے اس امر کو اپنے اغراض و مقاصد میں داخل کیا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں جبکہ کانگریس کا اوّلین اجلاس ہوا تو سب سے پہلا مقصد مندرجۂ الفاظ میں ظاہر کیا گیا۔

"ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے۔ ان سب کو متفق اور متحد کرکے ایک قوم بنایا جائے۔

یہی متحدہ قومیت انگلستان کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی ہے اور ہر انگریز اس سے خائف اور اس کے زائل کرنے کے لئے ہر طرح سے ساعی ہے۔

تھا کہ سرسید جیسے تیز اور سخت سیاسی کے خیالات پر نہایت زہریلا اثر ڈالا (اسباب بغاوت ہند) کے لکھنے والے شخص کے عقاید اور ارادوں کو روزانہ اور پیہم مساعی سے بالکل ہی جامد اور انگریز پرست ڈرپوک بنا دیا گیا انہی مساعی کی بنا پر سنہ ۱۹۰۰ء میں لارڈ میکڈانلڈ نے ناگری اور اردو کا قصہ اٹھایا اور انہیں وجوہ کی بنا پر سنہ ۱۹۰۶ء میں متعدد ذمہ واریاں برطانیہ کی کوششوں سے مسلم لیگ کی تخلیق شملہ کی چوٹیوں سے ظہور پذیر ہوئی اور آج تک اسی پالیسی پر گامزن ہے۔ اسی بنا پر بار بار امن سبھائیں قائم کرائی گئیں اسی بنا پر شدھی اور سنگھٹن کو میدان میں پیش کیا گیا ٭

مسٹر ماریسن اور مسٹر بیک وغیرہ کی کارروائیاں اگر دیکھنی ہوں تو انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے پرچے ملاحظہ ہوں۔ مسلمانوں کو خصوصی طور پر کانگریس سے متنفر کرنے اور اس سے دور کرنیکی پالیسی آج سے نہیں۔ بلکہ سنہ ۱۸۹۵ء یا اس سے بھی پہلے سے جاری ہے اور کامیابی ہوتی جاتی ہے۔ آج بھی یہی شراب ارغوانی جو کہ مسلم لیگ کی گھٹی میں ڈالی گئی تھی اس کے ممبروں کو گورے گورے ہاتھوں سے پلائی جارہی ہے اور وفادارانِ ازلی اپنے خداوندوں کی مختلف پیرائوں میں خدمات جلیلہ انجام دیتے ہوئے لیگ کے پلیٹ فارم

پر گرجتے اور جمعیۃ العلماء اور دیگر سچے مخلصین خدام ملت و ملک سے نفرت دلاتے ہیں۔ طول کے خوف سے میں مفصل کیفیت اس بیان میں نہیں لاتا۔ اگر آئندہ کوئی موقعہ ملا تو عرض کرونگا۔ مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکا دیا گیا اور آج بھی نہایت قوت اور چالاکی سے دیا جا رہا ہے ان کو چاہیئے کہ گزشتہ تاریخ کا مطالعہ کریں اور اپنے تحفظ و زندگی کا سامان کریں۔ اہل مطالعہ سے میری پُر زور درخواست ہے کہ وہ ضرور بر ضرور کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" جوکہ ابھی ابھی مطبع نظامی بدایوں میں چھپی ہے منگائیں اور اس کے آئینے میں انگریزی پالیسی اور مسلم لیگ وغیرہ کی حقیقت اور نام نہاد لیڈروں کی برہنہ تصاویر مشاہدہ کریں۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ والسّلام

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

۸ر ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

طالوت صاحب کا خط
علامہ اقبال کے نام

مطاع و محترم اسلامیاں

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ!

اگرچہ میرا یہ درجہ نہیں کہ آپ سے شرفِ مخاطبت حاصل کر سکوں۔ مگر الضرورات تبیح المحذورات کی بنا پر باوجود اس علم کے کہ آپ کی طبیعت ناساز رہتی ہے۔ تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ اخلاق کریمہ کی بنا پر اپنے اوقات ثمینہ میں سے دو چار منٹ نکال کر میرے عریضہ کو پڑھنے اور اس کے جواب کی زحمت برداشت کریں گے۔

مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کے متعلق آپ کی نظم عجم ہنوز نداند الخ "احسان" میں چھپی اور اس سے پہلے احسان "زمیندار"۔ "انقلاب" میں ان کے خلاف متواتر پروپیگنڈا بھی کیا جاتا رہا۔ میں نے مولانا کو ایک نیازنامہ میں اس نظم اور اس پروپیگنڈا کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے جواب میں

انہوں نے از راہ شفقت ایک مفصل تحریر بھیجی۔ جسکے اہم اقتباسات ذیل میں درج ہیں :-

"میں نے بعض ضروری مضامین کے بعد ملک کی حالت بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرونِ ملک میں آزادی کی ضرورت کا تمہیدی مضمون شروع کیا۔ تو کہا کہ "موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ دیکھو انگلستان کے بسنے والے سب ایک قوم شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں یہودی بھی ہیں نصرانی بھی۔ پروٹسٹنٹ بھی۔ کیتھولک بھی۔ یہی حال امریکہ فرانس جاپان وغیرہ کا ہے الخ جوکہ جلسہ درہم برہم کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اور موقع چاہ رہے تھے۔ انہوں نے شور مچانا شروع کیا۔ میں اس وقت یہ نہیں سمجھ سکا کہ وجہ فشور کیا ہے۔ جلسہ جاری رکھنے والے لوگ اور وہ چند آدمی جو کہ شور و غوغا چاہتے تھے۔ سوال و جواب دیتے رہے اور چپ رہو وغیرہ کے الفاظ سنائی دیئے۔ اگلے روز "الامان" وغیرہ میں چھپا کہ حسین احمد نے تقریر میں کہا ہے کہ قومیت وطن سے ہوتی

ہے۔ مذہب سے نہیں ہوتی اور اس پر شور و غوغا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اور دیگر اخبارول میں سب وشتم چھا گیا۔ کلام کے ابتدا اور انتہا کو حذف کر دیا گیا تھا اور کوشش کی گئی تھی کہ عام مُسلمانوں کو ورغلایا جائے۔ میں اس تحریف اور اتہام کو دیکھ کر چپکا ہو گیا۔ تقریر کا بڑا حِصّہ "انصاری" اور "تیج" میں چھپا۔ مگر اس کو کسی نے نہیں لیا۔ "الامان" اور "وحدت" سے "انقلاب"۔ "زمیندار" نے لیا اور اپنے دلوں کی بھڑاس نکالی۔ ۸ر یا ۹ر جنوری کے "انصاری" اور "تیج" کو ملاحظہ فرمایئے۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب و مِلّت کا دار و مدار وطنیّت پر ہے۔ یہ بالکل ہی افترا اور دجل ہے۔ "احسان" مورخہ ۳۱ر جنوری کے صفحہ ۳ پر بھی میرا قول یہ نہیں بتایا گیا بلکہ یہ کہا گیا کہ قوم یا قومیّت کی اساس وطن پر ہوتی ہے۔" اگرچہ یہ بھی غلط ہے۔ مگر یہ ضرور تسلیم کیا گیا ہے کہ مذہب و مِلّت کا مدار وطنیّت پر ہونا میں نے نہیں کہا تھا۔ شملہ کی چوٹیوں اور نئی دہلی سے تعلّق رکھنے والے ایسا

افتراء اور اتہام کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس قسم کی تحریفیں اور سب وشتم ان کے فرائض منصبیہ ہیں سے ہیں ہی مگر سر اقبال جیسے مہذب اور متین شخص کا اُنکی صف ہیں آ جانا ضرور تعجب خیز امر ہے۔ ان سے میری خط و کتابت نہیں مجھ جیسے ادنیٰ ترین ہندوستانی کا ان کی عالی بارگاہ تک پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے اگر غیر مناسب نہ ہو تو ان کی عالی بارگاہ ہیں یہ شعر ضرور پہنچا دیجئے ؎

هنيئاً مريئاً غير داء مخامر
لعزة من اعراضنا ما استحلت

افسوس کہ سمجھ دار اشخاص اور آپ جیسے عالی خیال تو یہ جانتے ہیں کہ مخالفت کی بنا پر اخبار ہر قسم کی ناجائز اور ناسزا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ ان پر ہرگز اعتماد ایسے امور میں نہ کرنا چاہیئے۔ اور سر اقبال موصوف جیسے عالی خیال اور حوصلہ مند مذہب میں ڈوبے ہوئے تجربہ کار شخص کو یہ خیال نہ آیا۔ نہ تحقیق کرنیکی طرف توجہ فرمائی۔ آیت اذا جاء کم فاسق بنبا فتبینوا الایۃ گویا ان کی

نظر سے نہیں گذری۔

"اگر میری تقریر کے سیاق و سباق کو حذف بھی کر دیا جائے اور عبارت میں تحریف کر کے حسب اعلان جریدہ "احسان" قوم یا قومیت کی اساس وطن پر ہوتی ہے"۔ بنائی جائے۔ تب بھی میں نے کب کہا کہ ملت یا دین کی اساس وطن پر ہے اس کے علاوہ تقریر میں تو اسلامی تعلیم اور نظریہ کا ذکر بھی نہیں تھا"۔

یہ مولانا کی تقریر کے وہ اقتباس ہیں جو میرے نزدیک ضروری تھے کہ آپ کی نظر سے گذر جائیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے مولانا کی پوزیشن صاف ہے اور آپ کی نظم کا اساس غلط پروپیگنڈا پر ہے۔ آپ کے نزدیک بھی اگر مولانا بے قصور ہوں تو مہربانی فرما کر اپنی عالی ظرفی کی بنا پر اخبارات میں انکی پوزیشن صاف فرمائیے۔ بصورت دیگر مجھے اپنے خیالات سے مطلع فرمائیے تاکہ مولانا سے مزید تشفی کر لی جائے۔ ہمارے جیسے نیازمند جو دونو حضرات کے عقیدت کیش ہیں۔ دوگونہ رنج و عذاب میں مبتلا ہیں۔ امید کہ باوجود عدیم الفرصتی کے ہمیں اس ورطۂ حیرانی سے نکالے میں آپ رحمت ثابت ہونگے

طالوت

علامہ اقبال کا خط

جناب طالوت کے نام

۱۶ فروری ۱۹۳۸ء

جناب من

مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے۔ ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مگر بعض نے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اور مولوی صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں۔ اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لئے انتخاب کیا ہے۔ جو اب انشاءاللہ اخبار "احسان" میں شایع ہوگا میں فرداً فرداً علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں فقط۔

مخلص

محمد اقبال

علّامہ اقبال کا دُوسرا خط

حضرتِ طالوت کے نام

۱۰ر فروری ۱۹۳۸ء

جناب من سلام مسنون

میں حسب وعدہ آپ کے خط کا جواب "احسان" میں لکھوانے کو تھا - کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جسکو گوش گزار کر دینا ضروری ہے - امید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے کی زحمت گوارا فرماکر اس بات کو صاف کر دیں گے - جو اقتباسات آپ نے اُنکے خط سے درج کئے ہیں - ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آجکل قومیں اوطان سے بنتی ہیں - اگر ان کا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا - کیونکہ فرنگی سیاست کا نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے - البتہ اگر اُن کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مُسلمان بھی اس نظریئے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے - کیونکہ کسی نظریئے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی - اس خیال

ہے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے۔اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔ اُن کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کر دیجئے۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلایئے کہ میں انکے احترام میں کسی اور مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔البتہ اگر مذکورہ بالا ان کا مقصد وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے تو میں آنکے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رُو سے اسلام کی رُوح اور اسکے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں۔میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایان شان نہیں اور مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا۔ اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں نے اپنی عمر کا نصف اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطہ نظر کی تشریح و توضیح میں گذارا ہے ۔ محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کیلئے اور خصوصاً اسلام کیلئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوتا تھا۔کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈا کرنا نہ میرا اس سے پہلے مقصد تھا نہ آج مقصود ہے۔بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پراپیگنڈے کا پردا بناتا ہے۔میرے نزدیک لعنتی ہے۔

مخلص:۔ محمد اقبال

مولانا حسین احمد صاحب کا دُوسرا خط

حضرت طالوت کے نام

محترم المقام زید مجدکم ۔ السّلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مزاج شریف

والانامہ مجھ کو کلکتہ میں کل ۲۴ر ذی الحجہ کو ملا ۔ میں دیوبند سے ۱۱ر ذی الحجہ کو ہری پور کیلئے روانہ ہو گیا تھا ادھر سے بمبئی ہوتا ہُوا کلکتہ آیا ہوں ۔ اسوقت مجھ کو بنگال اور آسام کے متعدد جلسوں میں شریک ہونا ہے ۔ انشاءاللہ ہفتہ عشرہ کے بعد دیوبند پہنچونگا ۔ میں نے جب عریضہ لکھا تھا تو بعض احباب نے اصرار کیا تھا کہ چونکہ جگہ جگہ پراپیگنڈا کیا گیا ہے اور ہر طرف سے خطوط آ رہے ہیں ۔ نیز بذریعہ مدینہ بجنور وغیرہ مجھ سے استفسار کیا ہے ۔ بنا بریں لازم ہے کہ اس خط کی نقل شائع کر دی جائے میں نے اُنکے اصرار پر اجازت دے دی تھی ۔ چنانچہ آپ کے پاس عریضہ روانہ کر دینے کے بعد انہوں نے

کی نقلیں "مدینہ" "الجمعیتہ" "انصاری" "ہند جدید" "ترجمان سرحد" "پاسبان" "اجمل" وغیرہ کو بھیج دیں۔ وہ شائع ہو گئی ہیں۔ بنابریں عرض ہے کہ جناب کا اس عریضہ کو سر اقبال صاحب کی خدمت میں بھیجنے کے متعلق استفسار فرمانا اب غیر ضروری ہے۔ اور اسمیں کوئی پرائیویٹ مضمون تھا بھی نہیں اگر انکو ان اخباروں کے مضامین نہ پہنچے ہوں اور غالباً نہ پہنچے ہونگے۔ کیوں کہ بڑے حضرات اردو کے اخبار اور بالخصوص قومی اخبار ملاحظہ نہیں فرماتے ہیں تو ضرور بھیج دیجئے۔ میرے محترم سر موصوف کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں۔ اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اسکے ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی جائے میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں۔ یہ اس زمانہ کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ تم کو ایسا کرنا چاہیئے خبر ہے انشا نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا نہ امر اور انشا کا لفظ ذکر کیا ہے۔ پھر اس مشورۃ کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے۔ اور واقعہ اصلی یہ تھا کہ میں تقریر میں ان امور کو گنوا رہا ہے جو کہ ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں

کو انگریزوں سے ہندوستان میں پہنچے ہیں - ان میں سے پہلی چیز ذکر میں ذلت آئی تھی کہ تمام دُنیا میں اس زمانہ میں ہم ذلیل شمار کیئے جاتے ہیں - کیونکہ ساری دُنیا کا خیال ہے کہ ہندوستانی (ہندوستان کے باشندے) ایک قوم ہیں اور وہ سب کے سب غلام ہیں اور غلام ذلیل و خوار ہوتا ہی ہے - اس لئے ہم بیرُونِ ممالک میں نہایت ذلیل دیکھے جاتے ہیں - وہاں کے لوگ ہندو - مُسلمان - سِکھ پارسی یہوُدی وغیرہ کا مذہبی یا نسلی یا صنعتی فرق نہیں دیکھتے ہیں اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں - اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستانیوں کے متعلق نٹال - ٹرنسوال - کیپ کالونی - ماریشش - زنجبار - نیروبی - کینیا - فیجی - آسٹریلیا - کنیڈا - امریکہ وغیرہ نہایت شرمناک اور ذلیل ترین قوانین اپنے یہاں بناتے ہیں اور ہندوستانی باشندوں کو شہری حقوق سے محرُوم کرتے ہیں - اور ہم کوئی امداد وہاں کے ہندوستانی باشندوں کی نہیں کر سکتے - کیا ایسا وہ جاپان یا چین یا اطالین یا انگلینڈ یا ڈچ وغیرہ آزاد قوموں کے ساتھ کر سکتے ہیں - اسی طرح ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے متعلق جوکہ فلسطین یا سیریا یا مصر یا عراق - طرابلس یا الجیریا وغیرہ میں موجوُد ہیں - آوازیں اُٹھاتے ہیں - مگر کوئی

یوروپین طاقت ہماری آواز کی طرف رُخ نہیں کرتی اور نہ متاثر ہوتی ہے - اس کی وجہ یہی ذِلّت ہے - خود برطانیہ کے مقابل ہم اس کے کھلے ہوئے مظالم پر جوکہ ہندوستان اور سرحد وغیرہ میں ہو رہے ہیں - پروٹسٹ کرتے ہیں مگر وہ بھی کان نہیں دھرتی - ہم بیرون ممالک میں دیگر اقوام کے سامنے اسی غلامی کی وجہ سے ہندوستانی قوم کو تذلیل کرتے ہوئے بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں - وغیرہ وغیرہ

دوسری چیز میں نے ذکر کی تھی "بزدلی اور جبن" امور جنگ سے ناواقفیت اور اس کو واضح طور سے ثابت کیا تھا تیسری چیز نفاق - چوتھی چیز فقر و فاقہ - پانچویں چیز جہل چھٹی چیز کسل اور سستی - ساتویں چیز بدعقلی - آٹھویں بیکاری وغیرہ وغیرہ - مسلمانوں کے لئے خصوصی دارالاسلام کا دارالحرب ہو جانا - عالم اسلامی کا اس غلامی کی وجہ سے برباد ہونا - مذہبی امور کا غارت ہونا وغیرہ - یہاں کوئی مشورہ بجز اسکے نہیں ذکر کیا گیا تھا کہ اشد ضروری ہے - کہ جلد از جلد انتہائی کوشش کرکے ہندوستان کو آزاد کرائیں اگر اس مشورہ کو خلاف دین و امانت شمار کیا جاتا ہے - تو باعلان کہتا ہوں کہ میں اسی کو فرض سمجھتا ہوں -

فذالک ذنب لست منہ اتوب

دُنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے - اس مشورہ کو دونگا اور میرا اعتقاد ہے کہ اس میں تقصیر کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے - اپنی طاقت کے مطابق اس میں حصّہ لینا ضروری ہے -

باقی رہا مِلّت اسلامی کا بلا انتصاب بلا الوان بلا اوطان بلا صنائع وغیرہ متحد ہونا اور کرنا تو یہ دوسرا امر ہے - اس کو بھی ہم جانتے ہیں - ہماری گھٹی میں پڑا ہے - اس کی بنا پر ہم مالٹا میں قید رہے - ہم نے کراچی کا جیل کاٹا اور سینکڑوں مصائب اُٹھائے اور بچپن سے اس کی تعلیم پائی - قرآن کی آیات - احادیث صحیحہ اور روایات آج نہ سطور میں بلکہ صدر میں موجود ہیں - جن کو بارہا منابر پر مجامع میں ہم پڑھتے اور اس کا وعظ سناتے ہیں - کوئی تو صرف اس کا قوال ہی ہوگا - ہم قوّال اور فعال دونوں ہیں - قوم کی بے حسی اور کمزوری کی وجہ سے اس حالت میں پڑے ہوئے ہیں - پھر کس قدر تعجّب خیز امر ہے کہ قوم اور مِلّت اور دین کو ایک قرار دیا گیا - میں فرق کو نقل کر چکا ہوں - اگر خلاف لغت سر صاحب موصوف کا نظریہ دونوں کے اتحاد وغیرہ کا ہے تو ان کو اپنے نظریہ کے مخالف کو ایسے ناشائستہ الفاظ کہنے کا کیا حق تھا - بہر حال ہ

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ مے زیبد لبِ لعل شکر خارا

میرے محترم! ہم تو ایسی سبّ و شتم کے عادی ہو گئے ہیں۔ سن کر کچھ تغیّر نہیں ہوتا ہے

رنج کا عادی ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مسلم لیگ کی شرمناک کارروائیاں مشاہدہ کرنیکے بعد جب میں علیحدہ ہوا ہوں۔ ہر قسم کے سبّ و شتم کا بہ نسبت سابق زیادہ نشانہ بنا ہوا ہوں وہ کون سے الفاظ و معاملات ہیں جو نہیں کئے گئے۔ سر صاحب موصوف تو جب بھی غیر ہیں۔ یہاں اپنے ہی کیا کمی کر رہے ہیں۔ والسّلام۔ دعوت صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں اسوقت میں نے یہ عریضہ اسٹیمر میں گوالنڈو اور چاندپور کے درمیان میں لکھا ہے تاخیر پر مواخذہ نہ فرمائیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو میرے عریضہ کی نقل "احسان" کو بھیجدیں۔ شاید وہ شایع کر دے اور جبکہ اس نے سر موصوف کا مقالہ ابتدا میں شایع کیا ہے تو اسکا فریضہ ہے کہ اس کو بھی شایع کر دے اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس عریضہ کو بھی شایع فرمادیں یا سر موصوف کی خدمت میں بھیج دیں۔

۲۵ر ذی الحجہ
ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

علّامہ اقبال کا تردیدی بیان

(جو روزنامہ "احسان" ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء میں شایع ہوا)

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیّت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا"۔

(مولانا حسین احمد مدنی کا بیان)

"مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کا کوئی حق نہیں رہتا"۔

(علامہ اقبال کا مکتوب)

قومیّت و وطنیّت کے سلسلہ میں ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ

جناب ایڈیٹر صاحب "احسان" لاہور۔ السّلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شایع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شایع ہو چکا ہے اس میں اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ "زمانہ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں"۔ محض برسبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور

اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ وطنیّت کا اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے۔ مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار "انصاری" میں شائع ہوُا مندرجہ ذیل الفاظ ہَیں۔

"لہذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کیلئے کوئی رشتۂ اتحاد بجز متحدہ قومیّت اور کوئی رشتہ نہیں۔ جسکی اساس محض یہی ہوسکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے"

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب مسلمانان ہندوستان کو مشورہ دیا ہے۔ اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار "احسان" میں شایع ہوُا ہے لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط "طالوت" صاحب کے نام آیا۔ جسکی ایک نقل انہوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے۔ اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہَیں۔

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں اور

اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلافِ دیانت ہے۔ اسلئے
میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور
اسکے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈالی
جائے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں
اوطان سے بنتی ہیں۔" یہ اس زمانہ کی جاری ہونیوالی
نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا
ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیئے۔ خبر ہے منشا نہیں ہے
کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا۔ پھر
اس مشورہ کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے؟"

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا
اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند
کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ لہذا میں اس بات کا
اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم
کا کوئی حق اُنپر اعتراض کرنیکا نہیں رہتا۔ میں مولانا کے ان عقیدتمندوں
کے جوشِ عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کے توضیح کے
صلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں خدا تعالیٰ انکو
مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے۔ نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی
حمیت دینی کے احترام میں میں انکے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں۔

محمد اقبال

اُردو ادب میں ایک لازوال شاہکار

روحِ مومن

از:- مولینا عبدالرحمٰن اصلاحی

مومن کی شاعری جو ہمہ گیری اور مقام رکھتی ہے وہ اربابِ ذوق سے پوشیدہ نہیں میر تقی میر سے لے کر مرزا غالب تک جتنے صاحبِ کمال گذرے ہیں ان میں مومن اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے نمایاں اور بلند نظر آتا ہے۔

ہندوستان کے تعلیمی اداروں اور درسگاہوں میں غالب کے بعد اگر کوئی شاعر غالب کا مقام لے سکتا ہے تو وہ مومن اور صرف مومن ہے۔ مومن کے کلام میں ایک غیر فانی تاثر، ابدی لذت اور لازوال کیف کے علاوہ ندرت، رنگینی، موسیقی اور بلندی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروپگنڈے کے بغیر اربابِ ادب میں اس کی عظمت تاباں و درخشاں چلی آتی ہے۔

اب تک اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں مومن کے حالاتِ زندگی اور خصوصیاتِ کلام پر سیر حاصل تبصرہ ہوتا۔ فاضل مصنف نے "روحِ مومن" میں کامیابی کے ساتھ ادب و تنقید کے تمام تر گوشوں پر نظر رکھتے ہوئے مومن کی زندگی اور کلام پر روشنی ڈالی ہے۔

قیمت تین روپے ۔۔

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

زندگی کبھی افسانہ بن جاتی ہے اور کبھی افسانہ زندگی بن کر رہ جاتا ہے ——— آئیے اور

زندگی کے
جائزے

دیکھ کر غور کیجئے کہ آپ جسے افسانہ کہتے ہیں وہ تخیل کی پیداوار نہیں ہے بلکہ آپ کی اور آپ کے پاس پڑوس کی اور آپ کے گرد و پیش کی جیتی جاگتی، ہنستی کھیلتی، بولتی چالتی تصویریں ہیں

جن کو ..

سید ابوسعید بزمی ایم اے کے تخیل نے نہیں تجربہ اور مشاہدہ کی دوربین نے الفاظ کا جامہ پہنا کر کاغذی پردے پر اتار دیا ہے آپ انہیں دیکھیں گے اور دوسروں کی نہیں خود اپنی زندگی میں کھو کر رہ جائیں گے۔ ان میں نام اور مقام سب فرضی ہیں لیکن واقعات فرضی نہیں اگر آپ کے پاس فلسفۂ اخلاق، تاریخ اور مذہب کی دس پیچیدہ کتابیں پڑھنے کی فرصت نہیں ہے تو اڑھائی سو صفحے کی اس شگفتہ زبان میں لکھی ہوئی زندگی کے افسانوی قالب کا صرف پہلا صفحہ پڑھ کے دیکھئے کہ پھر آخری صفحے تک کتاب آپ کے ہاتھ سے چھوٹتی ہے یا نہیں۔

قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور